الحاکمیۃ فی الاسلام

مولانا عبد السلام کیلانی

موجودہ دور کے ماہرین سیاسیات کی نظر میں کسی ریاست کے عناصر ترکیبی چار ہیں۔ (۱) آبادی (۲) علاقہ (۳) منظم حکومت اور (۴) اقتدار اعلیٰ۔ اقتدار اعلیٰ کو عربی زبان میں حاکمیت اور انگریزی میں sovereignty کہا جاتا ہے۔

اقتدار اعلیٰ کی اہمیت:

اقتدار اعلیٰ ریاست کا انتہائی اہم عنصر ہے۔ اگر ایک علاقہ میں لوگ مستقل رہائش رکھتے ہوں اور وہاں ایک منظم حکومت بھی موجود ہو تب بھی ہم اسے بغیر اقتدار اعلیٰ کے ریاست نہیں کہیں گے۔ اقتدار اعلیٰ سے مراد ریاست کی ایسی طاقت ہوتی ہے جس پر کوئی پابندی نہ ہو۔ اس کی دو حیثیتیں ہوتی ہیں: اندرونی اور بیرونی۔

اندرونی اقتدار اعلیٰ ایک شخص یا جماعت کو حاصل ہوسکتا ہے جو ریاست کی علاقائی حدود میں ہر فرد اور انجمن پر فوقیت رکھتا ہے۔ مقتدر اعلیٰ کو قانون سازی کے لامحدود اختیارات حاصل ہوتے ہیں اور وہ ان کو نافذ کرنے کی بھی قدرت رکھتا ہے اور قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں کو سزا دینا بھی اس کے دائرہ اختیار میں شامل ہے۔

بیرونی اقتدار اعلیٰ سے مراد یہ ہے کہ وہ ریاست بیرونی دباؤ سے آزاد ہو اور اس کو مکمل طور پر سیاسی آزادی حاصل ہو۔ اگر وہ کسی دوسری طاقت کے زیر اثر ہے یا اس کے اختیارات پر کوئی پابندی عائد ہے تو وہ ریاست کہلانے کی مستحق نہیں ہے۔ ایک ریاست بلاشبہ بین الاقوامی معاہدوں اور بین الاقوامی قانون کی پابندی کرتی ہے لیکن قانونی لحاظ سے یہ پابندی اس کی اپنی مرضی پر منحصر ہے اور اس کے اقتدار اعلیٰ کو متاثر نہیں کرتی البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اندرونی اقتدار اعلیٰ کی طرح بیرونی اقتدار اعلیٰ مطلقاً لامحدود نہیں ہوتا۔ اور اس پر عملی بندشیں ہونا ناگزیر ہے۔ بالفاظ دیگر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اقتدار اعلیٰ کی موجودگی ہی ریاست کو انسان کی دوسری قسم کی انجمنوں سے ممتاز کرتی ہے۔

از پدرش چه خیری دیدی...... ☆...... که از پسرش ببینی؟

اقتدار اعلیٰ کی خصوصیات:

ماہرین سیاسات نے اقتدار اعلیٰ کی جومختلف تعریفیں بیان کی ہیں۔ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

فرانسیسی مفکر بودن(bodin) کہتا ہے کہ:

''اقتدار اعلیٰ شہریوں اور رعایا ہر ریاست کا وہ برتر اختیار ہے جو کسی قانون کا پابندنہیں ہوتا۔''

امریکی مصنف برجس(burgess) کےنزدیک اس کی تعریف یہ ہے کہ:

''اقتدار اعلیٰ ہر فرد پر اور افراد کے تمام اداروں پر اصلی، حاوی، مطلق اور غیرمحدوداختیارکا نام ہے۔''

اورفرانسیسی مفکر روسو(roasseau) کےنزدیک اس کی تعریف یہ ہے کہ:

''اقتدار اعلیٰ مطلق، قطعی، نا قابل تقسیم اورنا قابل انتقال اختیارکو کہتے ہیں''۔

ان تعریفوں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مقتدر اعلیٰ میں مندرجہ ذیل خصوصیات کا پایا جانا ضروری ہے:

وہ مطلق العنان ہو، مستقل بالذات ہو، جامع، منفرد حیثیت کا مالک، نا قابل تقسیم، نا قابل انتقال اورنا قابل زوال ہو۔

اگر چہ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام خصوصیات کا کسی انسان کی ذات میں جمع ہونا ناممکنات سے ہے، تاہم طرفہ تماشا یہ ہے کہ ان منکرین کے نزدیک مقتدر اعلیٰ کا انسان یا انسانوں کا کوئی ادارہ ہونا ضروری ہے۔انسان سے ماوراء کسی ہستی کو مقتدر اعلیٰ تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔(۱) ملوکیت میں مقتدر اعلیٰ بادشاہ ہوتا ہے اور جمہوریت میں مقتدر اعلیٰ پارلیمنٹ ہوتی ہے اور سیاسی مقتدر اعلیٰ عوام ہوتے ہیں۔

اسلام میں اقتدار اعلیٰ:

اسلامی ریاست کو فقہی زبان میں دارالاسلام کہا جاتا ہے۔اگر چہ اس کے قیام کے لئے بھی کسی مخصوص مقام یا علاقہ کا ہونا ضروری ہے۔تاہم یہ علاقہ نسلی یا جغرافیائی حدود و قیود کا پابند نہیں ہوتا کیونکہ یہ ایک نظریاتی مملکت ہے اور آفاقی ریاست ہے جس سے دنیا بھر کے مسلمان اگر چاہئیں تو منسلک ہو سکتے ہیں۔ایسی مملکت میں حاکمیت یا اقتدار اعلیٰ صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔اس سلسلہ میں درج ذیل ارشادات ربانی ملاحظہ فرمایئے:

تعرف الاشياء باضدادها ☆ ضدرا از ضدشنا سند ای رفيق

۱۔ ان الحکم الا للّٰہ (۱۲/۴۰،۶/۵۷) حاکمیت تو صرف اللہ ہی کے لئے ہے۔

۲۔ الا لہ الحکم وھو اسرع الحاسبین (۶/۶۲) سن رکھو کہ حکم اسی (اللہ) کے لئے ہے اور وہ جلد حساب لینے والا ہے۔

۳۔ الا لہ الخلق والامر (۷/۵۴) دیکھو سب مخلوق اللہ کی ہے تو حکم بھی اسی کا چلے گا۔

۴۔ قل ان الامر کلہ للّٰہ (۳/۵۴) آپ کہہ دیجئے کہ اس حاکمیت میں کوئی نبی بھی شریک نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت رسول اکرم ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا:

لیس لک من الامر شئی (۳/۵۴)

(اے پیغمبر!) تمہارا اس کام میں کچھ اختیار نہیں۔

مندرجہ بالا تمام آیات سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ایک اسلامی ریاست یا نظام خلافت میں مقتدر اعلیٰ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات میں ان تمام خصوصیات کا مجتمع ہونا ناممکن نہیں ہے۔ جن کی پہلے نشاندہی کی جا چکی ہے۔ کسی انسان یا انسانوں پر مشتمل ادارہ میں یہ تمام صفات جمع ہو ہی نہیں سکتیں۔ بادشاہ یا آمر کے اختیارات کو ایسے بہت سے خارجی عوامل محدود کر سکتے ہیں جو اس کے اپنے قابو میں نہیں ہوتے۔ جمہوریت میں کسی ایک ادارے کے پاس حقیقی جمہوریت موجود ہی نہیں ہوتی۔ ہر ادارے کے ظاہری اختیار کے پیچھے کچھ دوسری با اختیار طاقتیں موجود ہوتی ہیں اور یہ سلسلہ کہیں ختم ہونے میں نہیں آتا۔

اسلام میں حاکمیت یا اقتدار اعلیٰ کی خصوصیات:

۱۔ اسلام میں حاکم اعلیٰ صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ کوئی فرد، خاندان، گروہ بلکہ پوری ملت بھی حاکمیت کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔

۲۔ اللہ تعالیٰ ہی قانون ساز ہے۔ کسی دوسرے کو قانون سازی کا اختیار حاصل نہیں اور نہ ہی خدا کے بنائے ہوئے قانون میں ردوبدل یا ترمیم و تنسیخ کر سکتا ہے۔ سوائے نبی مرسل با اختیار کے ورنہ کوئی نبی بھی ایسا نہیں کر سکتا۔

۳۔ امیر یا اسلامی حکومت صرف اسی صورت میں اطاعت کی مستحق ہے کہ وہ خدا کے قانون کو نافذ کرے۔ ارشاد نبوی ہے:

لاطاعة للمخلوق فی معصية الله (متفق علیہ)

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کوئی اطاعت نہیں۔

نیز فرمایا:

السمع والطاعة علی المرء المسلم فیما احب و کرہ مالم یؤمر بمعصية و اذا امر بمعصية فلا سمع ولا طاعة (بخاری، کتاب الاحکام)

ہر مسلمان پر سننا اور اطاعت کرنا لازم ہے خواہ وہ حکم اسے پسند ہو یا ناپسند۔ جب تک کہ اسے نافرمانی کا حکم نہیں دیا جاتا۔ اور اگر کوئی حاکم نافرمانی کا حکم دے تو پھر نہ اس کی بات سنو، نہ اطاعت کرو۔

۴۔ اسلام میں قانونی اور سیاسی حاکمیت میں کوئی امتیاز نہیں۔ اگر قانون کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ ہے تو طاقت کا سرچشمہ بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

اسلام اور غیر اسلامی اقتدار اعلیٰ میں فرق:

قرآن کریم نے مقتدر اعلیٰ یا حاکم اعلیٰ کا جو تصور پیش کیا ہے وہ مغربی مفکرین کے تصور سے کئی لحاظ سے مختلف ہے مثلاً۔

۱۔ ملکیت میں فرق:

اسلامی نقطہ نگاہ سے اقتدار اعلیٰ کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ کوئی فرد یا ادارہ حاکمیت کے اختیارات کا حامل نہیں۔ لیکن مغربی مفکرین کے نزدیک مقتدر اعلیٰ کا انسان ہونا ضروری ہے۔ انسان سے ماوراء کسی ہستی کو مقتدر اعلیٰ تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔

۲۔ اختیارات میں فرق:

اسلامی نقطہ نظر سے کسی فرد یا ادارہ کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ خدائی قوانین میں ترمیم و تنسیخ کر سکے۔ جبکہ انسانوں کے قوانین میں آئے دن ترمیم و تنسیخ کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ کیونکہ اس پر کئی عوامل اثر انداز ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا نازل شدہ قانون انسانی دستبرد سے ماوراء ہے۔ اور تمام لوگوں کو اسی منزل من اللہ قانون کے مطابق حکومت کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ ارشاد باری ہے:

ومن لم یحکم بما انزل اللّٰہ فاولٰئک ھم الکٰفرون (۵/۴۴)

ترجمہ: اور جو اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق حکم نہ دے تو ایسے ہی لوگ ظالم ہیں۔

ومن لم یحکم بما انزل اللّٰہ فاولٰئک ھم الفٰسقون (۵/۴۷)

ترجمہ: اور جو اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق حکم نہ دے ایسے ہی لوگ فاسق ہیں۔

۳۔ اکثریت کی حکمرانی:

جمہوریت میں اکثریتی پارٹی اپنی مرضی کے مطابق قانون بناتی ہے تو اقلیت کے حقوق و مفادات نظرانداز ہو جاتے ہیں لیکن اسلام نے اکثریت و اقلیت کی اس مصنوعی تقسیم کو ختم کر کے واحد قانون کا تصور دیا ہے۔ جو ہر ایک کے لئے یکساں طور پر واجب الاطاعت ہے۔

اللہ کی حاکمیت اور اسلام کا نظام عدل:

یوں تو کہنے کو سب طرح کی حکومتیں عدلیہ کی بالادستی کا دعویٰ کرتی رہتی ہیں لیکن اسلام نے عدلیہ کی بالادستی کا جو تصور پیش کیا ہے کوئی دوسری حکومت اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں مقتدر اعلیٰ اللہ تعالیٰ ہے جس کی نظروں میں قانونی لحاظ سے شاہ و گدا سب برابر ہیں۔

غیر اسلامی حکومت میں عدلیہ کی بے بسی:

کسی بھی طرز حکومت میں جو بھی مقتدر اعلیٰ ہوگا، حقیقت میں بالادستی اسی کی ہوگی۔ ملوکیت یا آمریت میں مقتدر اعلیٰ خود بادشاہ کی ذات ہوتی ہے۔ اس کے منہ سے نکلا ہوا لفظ ہی حکم ہے اور وہی قانون ہے۔

جمہوریت میں آئینی مقتدر اعلیٰ پارلیمنٹ ہوتی ہے۔ عدلیہ محض پارلیمنٹ کے بنائے ہوئے قانون کے مطابق فیصلہ کرنے کی پابند ہوتی ہے۔ حد یہ ہے کہ اگر وزیراعظم یا صدر یا پارلیمنٹ اور حکومت کے معزز ارکان کو اپنے مفادات کے خلاف عدالت کی طرف سے فیصلہ کرنے کا خطرہ لاحق ہوگیا ہو تو پارلیمنٹ نیا قانون بنا کر عدالت کو بے بس بنا دیتی ہے، اب ذرا انگلستان جیسے جمہوری ملک میں پارلیمنٹ کے اختیارات ملاحظہ فرمائیے:۔

انگلستان میں اقتدار اعلیٰ پارلیمنٹ کو حاصل ہے۔ ڈائسی (dycey) کے الفاظ میں پارلیمنٹ

قانونی طور پر ایسی بااختیار ہے کہ نابالغ کو بالغ قرار دے سکتی ہے۔ ناجائز بچہ کو جائز بنا سکتی اور اگر یہ چاہے تو ایک شخص کو اپنے مقدمہ میں خود ہی جج بنا سکتی ہے''۔

(اصول سیاسیات ص۱۰۶ اصفدر رضا شعبہ سیاسیات گورنمنٹ کالج، سرگودہا) اب پارلیمنٹ کے مقابلہ میں عدلیہ کی بے بسی ملاحظہ فرمایئے:

''عدالتیں صرف قانونی اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کرتی ہیں اور اس کے بنائے ہوئے قانون کی روشنی میں مقدمات کا فیصلہ کرتی ہیں انگلستان میں عدالتوں کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ پارلیمنٹ کے بنائے ہوئے کسی قانون کو ناجائز یا خلاف ضابطہ قرار دے سکیں۔ وہ صرف اس کی ترجمانی کرنے کی مجاز ہیں۔'' (حوالہ ایضا)

''ایک آزاد مملکت میں قانونی مقتدر اعلیٰ ایک مقررہ جماعت یا فرد ہوتا ہے۔ اس کا اختیار لامحدود ہوتا ہے اور اس کی منشا کو نہ تقسیم کیا جاسکتا ہے اور نہ اس کو منتقل کیا جاسکتا ہے۔ اس کے احکام کو قوانین کی حیثیت حاصل ہوتی ہے اور کوئی ان کو چیلنج نہیں کرسکتا۔ اگرچہ وہ اخلاق اور مذہب کی خلاف ورزی ہی کیوں نہ کریں۔ شہریوں کے جو حقوق ہوتے ہیں وہ قانونی مقتدر اعلیٰ کے عطا کردہ ہوتے ہیں اور اس کے خلاف کوئی حقوق نہیں ہوتے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ جب چاہے ان حقوق کی تنسیخ کرسکتا ہے۔'' (حوالہ مذکورہ)

''اسمبلی کے ارکان کی تقاریر پر عدلیہ باز پرس نہیں کرسکتی۔'' (آئین پاکستان دفعہ ۱۱۱)

''اسمبلی کی کسی بھی کارروائی کو عدالت میں چیلنج نہیں کیا جاسکتا۔''

(تحریک آزادی اور دستور پاکستان، ص ۲۵۲، فاروق اختر نجیب)

پاکستان کے دستور ۱۹۷۳ء میں اب تک ایسی دفعات موجود ہیں، جن کی رو سے سربراہ مملکت، وزیراعظم، گورنر اور وزرائے اعلیٰ پر نہ تو کوئی فوجداری مقدمہ دائر ہوسکتا ہے، نہ عدالت انہیں ایسے مقدمہ میں ملوث قرار دے سکتی ہے اور نہ ہی بڑی سے بڑی عدالت انہیں طلب کرسکتی ہے۔ ہمارے قومی اسمبلی کے ارکان کو بھی اجلاس کی کارروائی سے ۱۴ دن پہلے اور ۱۴ دن بعد تک کوئی دیوانی یا محصولاتی عدالت یا انتخابی ٹریبونل طلب نہیں کرسکتے۔ نہ ہی ایسی کارروائی کرسکتے ہیں جس میں رکن اسمبلی فریق ہو ٹریبونل طلب نہیں کرسکتے۔ نہ ہی ایسی کارروائی کرسکتے ہیں جس میں رکن اسمبلی فریق ہو۔

(دستور پاکستان ص ۴۵۳، فاروق اختر نجیب)

☆ بہ شیرین زبانی ولطف وخوشی .... توانی کہ پیلی بہ مویی کشی ☆

اسلامی حکومت میں عدلیہ کی بالا دستی:

اب اسلامی عدلیہ کی طرف آیئے۔ عدالت کے پاس بھی وہی دستور ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہے۔ اسی کے مطابق وہ فیصلہ کرنے کی پابند ہے اور انتظامیہ کے اعلیٰ عہدیداروں یعنی سربراہ مملکت (خلیفہ) یا وزراء بھی اسی قانون اور دستور کے پابند ہیں جو اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہے اس نظام میں کوئی بھی عدالت خلیفہ تک کو ہر طرح کے مقدمہ میں طلب کرسکتی ہے اور خلیفہ خود بھی اس بات کا پابند ہے کہ عدالت کے طلب کرنے پر بلاچون وچرا عدالت میں حاضر ہو۔

کیا دنیا کی کسی حکومت میں یہ مثال مل سکتی ہے کہ سربراہ مملکت اپنے آپ کو بلا جبر و اکراہ قصاص کے لئے عوام کی عدالت میں پیش کرے۔ یہ صرف اسلامی نظام کی برکات ہیں کہ خود شارع علیہ السلام نے اپنی وفات سے پیشتر صحابہ کرام کے بھرے مجمع میں یہ اعلان کیا کہ اگر مجھ سے کسی شخص پر کچھ زیادتی ہوگئی ہو تو وہ مجھ سے بدلہ لے سکتا ہے۔

فاطمہ مخزومیہ (قریشیہ) نے چوری کی۔ تو اہل قبیلہ نے ہاتھ کٹنے کی بدنامی کے ڈر سے سفارش کی راہیں تلاش کرنا شروع کیں۔ بالآخر آپ کے محبوب غلام حضرت اسامہ بن زید کو اس مقصد کیلئے وسیلہ بنایا گیا۔ حضرت اسامہ نے اہل قبیلہ کی خواہش کا اظہار کیا تو آپ کا چہرہ غصہ سے سرخ ہوگیا۔ آپ نے ایک بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا اور کہا کہ: تم سے پہلے کی امتیں اسی وجہ سے ہلاک ہوئیں کہ جب ان میں کوئی معزز آدمی جرم کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور اگر کوئی کمتر آدمی جرم کرتا تو اسے سزا دیتے۔ اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے۔ اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو میں اس کے ہاتھ کاٹ دیتا۔
(بخاری، کتاب الحدود، باب اقامۃ الحدود......)

اور وہ یہی بات ہے جسے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بار بار اپنے خطبوں میں دہرایا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ تو اس قانونی مساوات کا اس قدر خیال رکھتے تھے کہ بارہا خود عدالت میں حاضر ہوئے۔ ایک دفعہ آپ حضرت زیدؓ بن ثابت کی عدالت میں بطور مدعا علیہ پیش ہوئے۔ حضرت زیدؓ آپ کی تکریم کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا ''یہ تمہاری پہلی غلطی ہے۔'' اس کے بعد خود ہی مدعی کے ساتھ کھڑے ہوئے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا ہی ارشاد فرمایا تھا۔ لطف کی بات یہ ہے کہ یہ عدالت بھی کوئی سرکاری سطح کی عدالت نہ تھی بلکہ حضرت عمرؓ اور حضرت ابی بن کعبؓ کے درمیان کچھ جھگڑا تھا جس میں فریقین نے حضرت زیدؓ کو ثالث تسلیم کیا تھا۔ اس مقدمہ میں فیصلہ بھی حضرت عمرؓ کے خلاف صادر ہوا۔

حضرت علیؓ کے اپنے دور خلافت میں ان کی اپنی زرہ چوری ہوگئی جو حضرت علیؓ نے ایک یہودی کے پاس دیکھ لی۔ آپ نے یہ نہیں کیا کہ اس سے اپنی زرہ لے لیتے جس پر آپ کو پوری قدرت حاصل تھی۔ بلکہ قاضی شریح کی عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا۔ حضرت علیؓ کے پاس بطور گواہ ان کے بیٹے حسن اور ان کے غلام تھے۔ قاضی شریح نے آپ کا مقدمہ صرف اس بنا پر خارج کر دیا کہ بیٹے کی شہادت باپ کے حق میں اور غلام کی شہادت اپنے آقا کے حق میں نا قابل قبول ہے۔ حالانکہ عدالت کو یہ خوب معلوم تھا کہ مدعی اور گواہ سب عادل اور ثقہ ہیں۔ لیکن قانون کا تقاضا یہی تھا کہ مقدمہ خارج کر دیا جائے۔ عدل کی یہ صورت حال دیکھ یہودی نے زرہ بھی واپس کر دی اور خود بھی مسلمان ہو گیا۔

حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں جب حضرت معاذ بن جبلؓ رومیوں کے ہاں سفیر بن کر گئے تو دوران گفتگو بادشاہ اور اس کے اختیارات کا ذکر چھڑ گیا۔ حضرت معاذؓ کہنے لگے:

تمہیں اس بات پر ناز ہے کہ تم ایسے شہنشاہ کی رعایا ہو جس کو تمہاری جان و مال کا اختیار ہے، لیکن ہم نے جس کو اپنا سربراہ بنا رکھا ہے۔ وہ کسی بات میں اپنے آپ کو ہم پر ترجیح نہیں دے سکتا۔ اگر وہ زنا کرے تو اسے سنگسار کیا جائے۔ چوری کرے تو ہاتھ کاٹے جائیں وہ پردے میں نہیں بیٹھتا۔ اپنے آپ کو ہم سے بڑا نہیں سمجھتا۔ مال و دولت میں اس کو ہم پر ترجیح نہیں۔

(الفاروق، شبلی نعمانی، ۱۲۵ص، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور ۱۹۷۶ء)

مندرجہ بالا تصریحات سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ عدل و انصاف کے حقیقی تقاضے صرف اسی صورت میں پورے ہو سکتے ہیں اور عدلیہ کی بالادستی بھی اسی صورت میں قائم ہو سکتی ہے۔ جبکہ مقتدر اعلیٰ کسی انسان یا ادارہ کے بجائے خود اللہ تعالیٰ کی ذات ہو۔ ایسے نظام میں نہ سربراہ مملکت ہنگامی حالات کا سہارا لے کہ عوام کے بنیادی حقوق غصب کر سکتا ہے اور نہ وہ کوئی دوسرا معزز عہدیدار اپنے منصب کے اختیارات کے بل بوتے پر قانون کی گرفت سے بچ سکتا ہے۔

اللہ کی حاکمیت اور امن عالم:

انیسویں صدی کے اواخر میں جب سائنسی ترقی کے نتیجہ میں وسائل ابلاغ میں وسعت اور ذرائع نقل و حرکت میں آسانی اور تیز رفتاری پیدا ہوئی تو تمام دنیا کو ایک عالمی برادری کا احساس پیدا ہوا۔ ابھی اس طرف کچھ پیش رفت نہ ہوئی تھی کہ ۱۹۱۴ء میں جنگ عظیم اول شروع ہو گئی۔ جس میں چار و ناچار بہت سے

رائیت الناس قد مالوا الی من عندہ مال ☆ ومن لا عندہ مال عنہ الناس قد مالوا

ممالک کو حصہ لینا پڑا۔ یہ جنگ مسلسل چار سال جاری رہی جس میں جان و مال کا بے پناہ نقصان ہو گیا۔ اس صورت حال سے تمام دنیا مضطرب ہوگئی۔ لہٰذا عالمی امن کو برقرار رکھنے کی خاطر جمعیت اقوام (leagueofnations) کا قیام عمل میں آیا۔ لیکن اسے اپنے مقاصد میں چنداں کامیابی حاصل نہ ہوسکی۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ طاقتور حکومتوں کے مفادات کمزور ملکوں کی حمایت کی راہ میں سد راہ بن جاتے تھے۔

جمعیت اقوام کی ناکامی کا ثبوت اس سے بڑھ کر کیا ہوسکتا ہے کہ دوسری جنگ عظیم بپا ہو کے رہی۔ یہ ۱۹۳۷ء سے شروع ہو کر ۱۹۴۳ء تک مسلسل چھ سال جاری رہی۔ اسی تناسب سے اس میں زیادہ ممالک ملوث ہوئے اور جان و مال کے نقصان کا اندازہ بھی پہلی جنگ عظیم سے کئی گنا زیادہ تھا۔ اس جنگ کے اختتام پر ایک نیا عالمی ادارہ اقوام متحدہ (United Nations)(Organisation) وجود میں آیا۔ اس عالمی ادارے نے عالمی امن کے قیام کے لئے بہت سے قواعد منضبط کئے۔ عالمی عدالت بھی قائم کی۔ تحدید اسلحہ کی کوشش بھی کی۔ دنیا بھر کے انسانوں کے لئے بنیادی حقوق کا چارٹر بھی شائع کیا۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود نتائج کچھ حوصلہ افزا نہیں۔ وجہ وہی ہے کہ بڑی بڑی طاقتیں اپنی انا کو قائم رکھتی ہیں اور اپنے اپنے مفادات کی خاطر کمزور ملکوں کے حقوق و مفادات کو کچل دیتی ہیں۔ جیسا کہ آج کل بالخصوص عالم اسلام سے ہو رہا ہے۔ جن پانچ بڑی بڑی طاقتوں کو ویٹو کا حق عطا کیا گیا ہے۔ جب وہ اپنے کسی مفاد کو معرض خطر میں پڑتا دیکھتی ہیں۔ تو ویٹو کا حق استعمال کر کے اسمبلی کی قراردادوں کو کالعدم بنا دیتی ہیں۔ لہٰذا کوئی بھی بین الممالک تنازعہ ختم ہونے میں نہیں آتا۔ ہر بڑی طاقت اپنے یا اپنے زیر سایہ اور دوست ملک کی حمایت میں اٹھ کھڑی ہوتی ہے اس طرح اسمبلی کی اکثر کارروائیاں سرد خانے کی نذر ہو جاتی ہیں اور یہ سب حالات آپ کے سامنے ہیں۔ ممبر ملکوں کے درمیان باہمی آویزش پہلے سے کم نہیں۔ کچھ زیادہ ہی ہوئی ہے۔

اب بڑے بڑے مفکرین اس مصیبت سے نجات کا حل تلاش کرنے میں مصروف ہیں اور ان کی فکر کا نتیجہ اس شکل میں سامنے آرہا ہے کہ جب تک تمام دنیا میں ایک عالمگیر حکومت قائم نہ ہو، عالمی امن کی ضمانت دینا ناممکن ہے۔ بالفاظ دیگر اس عالمی حکومت کا اقتدار اعلیٰ یا حاکمیت صرف ایک ہونی چاہئے۔

اگر انسانی فکر اسی طرح صحیح راہ پر گامزن رہی تو اسے جلد ہی یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ یہ اقتدار اعلیٰ یا حاکمیت صرف ایسی ہستی ہونا چاہئے۔ جس کی نگاہ میں دنیا بھر کے انسانوں کے حقوق و مفادات یکساں حیثیت رکھتے ہوں اور ظاہر ہے کہ یہ صفت کسی انسان یا انسانی ادارہ میں نہیں ہوسکتی۔

☆مگس جایی نخواهد رفت بجز دکان حلوایی ☆

انسان میں اس لئے نہیں کہ وہ بہر حال کسی نہ کسی قوم یا علاقہ سے تعلق رکھتا ہوگا اور اسے بہر حال ترجیح دینے پر مجبور ہوگا۔ جس کے بہت سے عوامل ہیں اور ادارہ میں اس لئے نہیں کہ ان کے باہمی مفادات آپس میں ٹکراتے رہیں گے اور تنازعات کی شکل بالکل وہی ہوگی جیسا کہ آج کل کسی ملک کی اسمبلی میں حزب اقتدار اور حزب اختلاف کی باہمی چپقلش کی صورت میں وقوع پذیر ہوتی رہتی ہے۔

ان حالات اور وجوہات کے پیش نظر وثوق کے ساتھ یہ کہا جاسکتا ہے کہ جب تک مقتدر اعلیٰ صرف اللہ تعالیٰ کو تسلیم نہ کیا جائے گا عالمی امن کا قیام ناممکن ہے۔ اللہ ہی وہ ہستی ہے جس کی نگاہ میں پوری دنیا کے انسانوں کی فلاح و بہبود یکساں درجہ پر ہے۔ علامہ اقبال کے الفاظ ہیں۔

عقل خود بیں غافل از بہبود غیر سود خود بیند نہ بیند سود غیر
وحی حق بینندہ سود ہمہ در نگاہش سود و بہبود ہمہ

اسلام کی عالمگیریت:

اب ذرا آگے چلئے اور دیکھئے کہ اسلام ہی ایسا دین ہے جس میں اللہ کی حاکمیت کے علاوہ وہ تمام اوصاف موجود ہیں جو ایک عالمگیر دین میں ہونا ضروری ہیں مثلاً:۔

۱۔ اسلامی تعلیمات کا روئے سخن کسی خاص قوم یا علاقہ کی طرف نہیں بلکہ یایھا الناس کہہ کر تمام روئے زمین کے انسانوں کو مخاطب کیا گیا ہے۔ نیز فرمایا:

هذا بصائر للناس (۴۵/۳۰) یہ (قرآنی تعلیمات) تمام لوگوں کے لئے دانائی کی باتیں ہیں۔

۲۔ رسول اکرم ﷺ کسی خاص قوم، علاقہ یا زمانہ کے لئے مبعوث نہیں ہوئے بلکہ آپ خاتم النبیین ہونے کے ساتھ ساتھ قیامت تک تمام انسانوں کے لئے مبعوث ہوئے۔ ارشاد باری ہے:

وما ارسلنک الا کافة للناس بشیرا ونذیرا (۳۴/۲۸)

اے رسول! ہم نے تجھے تمام عالم انسانیت کیلئے نذیر اور بشیر بنا کر بھیجا ہے۔

۳۔ امت مسلمہ کو جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی مکلّف ہے، دنیا بھر کے انسانوں کے اعمال کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ ارشاد باری ہے:

کنتم خیر امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف و تنهون عن المنکر (۳/۱۰۹)

☆ این دغل دوستان کہ می بینی مگسانند گرد شیرینی ☆

تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے بھیجی گئی۔ تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو۔

۴۔ اسلامی تعلیمات کی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے لے رکھی ہے۔ قیامت تک نہ قرآن کے الفاظ میں کوئی ردو بدل ممکن ہے اور نہ ہی سنت نبوی کا کوئی گوشہ چھپایا جاسکتا ہے۔ ارشاد باری ہے:

ان علینا جمعه و قرانه ہ فاذا قرانه فاتبع قرانه ثم ان علینا بیانه (۷۵/۱۷تا۱۹)

اس قرآن کو جمع کرنا اور پڑھانا ہمارے ذمہ ہے۔ پھر جب ہم اسے پڑھا کریں تو تم بھی اسی طرح پڑھا کرو۔ پھر اس کے بعد اس کی تاویل وتعبیر اور وضاحت بھی ہمارے ذمہ ہے۔ نیز فرمایا:

انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحفظون (۱۵/۹)

بیشک ہم ہی نے یہ نصیحت نامہ (قرآن) اتارا ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔

۵۔ انسان کی دنیاوی اور اخروی زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں۔ جس کے لئے شریعت اسلامیہ سے رہنمائی حاصل نہ ہوسکے۔

٦۔ شرعی قانون کا ایک حصہ جو منصوص ہے وہ نا قابل تغیر وتبدل (Non-flxible) ہے اور یہ بھی ایک بہت بڑی خوبی ہے۔ جو قیامت تک آنے والے ادوار کے تقاضوں کا ساتھ دے سکتا ہے۔

اندریں صورت حال جب تک تمام دنیا اسلام کے دامن میں پناہ نہ لے گی۔ عالمی امن کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکتا۔ اور یہ کچھ محض ہماری خوش فہمی ہی نہیں بلکہ وحی الٰہی میں اس کے اشارات بھی ملتے ہیں۔ مثلاً:

(۱) اس دنیا کے خاتمہ سے پیشتر عیسیٰ علیہ السلام کا مکہ میں نزول ہوگا۔ اور مکہ صرف مسلمانوں کا ہی مرکزی شہر نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے اسے دنیا بھر کے لوگوں کے لئے مرکزی عبادت گاہ بنایا ہے۔ ارشاد باری ہے:

ان اول بیت وضع للناس للذی ببکة مبارکا وھدی للعالمین (۳/۴۵)

پہلا گھر جو لوگوں کے (عبادات کرنے کے) لئے مقرر کیا گیا جو مکہ میں ہے وہ برکت والا اور تمام جہاں والوں کے لئے ہدایت ہے۔

(۲) عیسیٰ علیہ السلام کا مکہ میں نزول ہی اس بات کی دلیل ہے۔ کہ وہ نبی ہونے کے باوجود شریعت محمدی کا اتباع کریں گے اور مسلمانوں کے سربراہ ہوں گے

(۳) ارشادی باری تعالیٰ:

فان من اھل الکتب الا لیومنن بہ قبل موتہ (۴/۱۵۹)

اہل کتاب میں سے کوئی شخص ایسا نہ رہے گا جو آپ کی (طبعی) موت سے قبل آپ پر ایمان نہ لائے۔

۴۔ آپ عیسائیت کا خاتمہ کردیں گے۔ انصاف کا دور دورہ ہوگا اور پیسہ کی ریل پیل ہوگی۔ یعنی تمام لوگ آسودہ حال ہوں گے۔ (بخاری، کتاب المظالم)

ہمارے خیال میں یہی عالمی امن کا دور ہوگا۔ اس دور میں سربراہ مملکت حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوں گے مملکت کا مذہب اسلام ہوگا۔ اور مقتدر اعلیٰ اللہ تعالیٰ ہوگا۔ یہ دور کب آئے گا اور اس دور کی تلاش میں انسانیت کتنی بار ٹھوکریں کھائے گی۔ یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ بہرحال وحی الٰہی کی روشنی میں یہ بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے۔ کہ دنیا کے خاتمہ سے پہلے پہلے اس دور کا آنا قطعی اور یقینی ہے۔

مراجع ومصادر

۱۔ قرآن مجید: تراجم وتفاسیر۔

۲۔ بخاری شریف۔

۳۔ مسلم شریف ودیگر کتاب حدیث۔

۴۔ اصول سیاسات: پروفیسر صفدر رضا (صدر شعبہ سیاسیات گورنمنٹ کالج سرگودہا)۔

۵۔ تعارف مدنیت: پروفیسر محمد امین جاوید ایم۔اے (تاریخ وسیاست)۔

۶۔ تحریک آزادی اور دستور پاکستان: فاروق اختر نجیب، پروفیسر سیاسیات، گورنمنٹ کالج میانوالی۔

۷۔ انسائیکلوپیڈیا اردو: فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور۔

۸۔ الفاروق: شبلی نعمانی، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور۔

۹۔ خلافت وجمہوریت: عبدالرحمٰن کیلانی، مکتبۃ السلام، وسن پورہ، لاہور۔

بہتر آن باشد کہ سر دلبران ☆ گفتہ آید در حدیث دیگران